ایک جھلک دیکھ چکی تھیں ۔ یہ روشنی کیا تھی جو آئندہ رونما ہونے والے واقعات کے پردے میں مستور تھی ؟ یہ تھی آنے والے دور کی حکومت اور مستقبل کی فتوحات کا ابتدائی نظارہ[1] ۔

رسول اکرمؐ اللہ کے آخری نبی تھے ، سلسلۂ نبوت آپ کی دنیا میں تشریف آوری پر ختم ہوگیا ۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ اس عالمِ رنگ و بو کی حکومت کے کاموں اور کارناموں میں ایک انتہائی بالادست حکومت کے نائب کی حیثیت رکھتے تھے ۔ آپؐ نے لوگوں کو اس حقیقت سے آگاہ فرمایا کہ حکومت اور مذہب کے امتزاج ہی سے دنیا میں معتدل و متوازن نظام قائم ہو سکتا ہے اور انسانی معاشرہ کو راہِ مستقیم پر گامزن کرنے کا اصل ذریعہ یہی ہے ۔ حکومت کا مطمحِ نظر خدمتِ مذہب ہونا چاہیے اور مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے لیے وسائلِ حکومت کو بروئے کار لانا چاہیے ۔ اس اعتبار سے اگر معاملے کے تمام پہلوؤں پر غور کیا جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ رسول اکرمؐ کا عہدِ مبارک سیاسی فرائض و تصورات کی انجام دہی کے لحاظ سے بھی اتنا ہی بے مثال تھا جتنا کہ نبی آخر الزمان کی حیثیت سے عدیم النظیر بلکہ کہنا چاہیے کہ سراسر اعجاز تھا ۔

بارہ سال کی عمر میں آنحضرتؐ اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ تجارت کی غرض سے ملکِ شام کے سفر پر روانہ ہوتے ہیں ۔ بُصریٰ کے قریب پہنچتے ہیں تو ایک عیسائی راہب سے ملاقات ہوتی ہے جس کا نام بحیرا ہے ۔ وہ آپؐ کو دیکھتا ہے تو اُسے آپؐ کی شخصیت میں ایسے جوہر نظر آتے ہیں جو دوسرے کسی شخص میں پائے نہیں جاتے ۔ وہ اس پر نہایت تعجب کا اظہار کرتا ہے اور آپ کے دستِ مبارک کو اپنے ہاتھ میں لے کر کہتا ہے :

هٰذا سيد للعالمين ، هٰذا رسول رب العالمين ، يبعثه الله رحمة للعالمين[2]

---

[1] روض الانف جلد اول ص ۱۱۱ ، ۱۱۲

[2] سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۱۱۹

یعنی یہ شخص تمام دُنیا کا سردار ہے، اسے تمام دُنیا کے رب کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے، اس کو اللہ نے کل عالم کے لیے باعثِ رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔

یہاں سردار (یعنی سید) کے معنی سیاسی اعتبار سے سردار کے بھی ہیں اور نبی آخرالزمان اور اللہ کے فرستادہ اور دین اسلام کے داعی اور پیغمبر کے بھی ہیں۔ بحیرا راہب نے اہلِ قافلہ کو خاص طور سے ہدایت کی کہ اس بچے کو جس کا مستقبل درخشاں ہے سلطنت روم کی طرف نہ لے جانا، ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ اسے قتل کر دیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اسے تو دُنیا بھر کی حکومت و سیادت کی باگ ڈور ہاتھ میں لینا اور لوگوں کو دینی و سیاسی قیادت کا فریضہ سرانجام دینا ہے، اسے ہر قسم کے متوقع خطرے سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ حضورؐ کی وفات کے فوراً بعد اسامہ کی فوجی مہم اسی علاقہ روم کی طرف روانہ کی گئی اور یہ وہ مہم تھی جو خود رسولِ اکرمؐ نے بھیجنے کا قصد فرمایا تھا، مگر آپؐ کی رحلت کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔ اور پھر آپؐ کے اس عزم کی تکمیل خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کی۔ (باقی)

تصحیح

پروفیسر محمد سلیم صاحب کے مضمون "احیاءِ اسلام اور نفاذِ شریعت" میں حسب ذیل اغلاط کی تصحیح کر لیں۔ ص ۲۱۹ — ۱۸۵۷ء کے بجائے جنگ پلاسی کا سال ۱۷۵۷ء ہے۔ "کارن واس" کی جگہ "کارن والس" پڑھیں۔ ص ۲۲۱ خطبۂ صدارت "محمد علی جوہر" کے بجائے "محمد علی جناح" ہونا چاہیے۔ ص ۲۲۲ ۱۳ مارچ کے بجائے ۱۲ مارچ پڑھیں۔ (ادارہ)

سیّد مودودیؒ اور دینی طبقات

حافظ محمد ادریس صاحب - منصورہ، لاہور

سیّد مودودیؒ کو اس صدی کے بے شمار لوگوں نے دیکھا۔ بعض نے بہت قریب سے اور بعض نے کچھ فاصلے سے۔ بعض نے اُن کو شخصی طور پر دیکھا ہے اور بعض نے انہیں لٹریچر کے آئینے میں۔ بے شمار لوگوں کو سیّد مرحوم سے منفی پروپیگنڈے کے نتیجے میں تعارف حاصل ہوا۔ ان ان گنت انسانوں میں سے ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو من گھڑت، بے بنیاد اور جھوٹے الزامات کے تار و پود سے بُنے گئے جال سے باہر نہ نکل سکے۔ جب کہ ایک خاصی تعداد ان خوش قسمت انسانوں کی بھی ہے جن کا ابتدائی تعارف تو منفی قوتوں کے ذریعے ہوا۔ مگر حقیقت تک پہنچنے کی خواہش نے انہیں توہمات کے جزیروں میں مقید رہنے کے بجائے صداقت کے بحرِ ذخار میں خود اُتر کر غوطہ زن ہونے کا حوصلہ بخشا۔ مجھے سیّد مودودیؒ کے بدترین مخالفوں سے ملنے کا بھی اتفاق ہوا۔ اور ان کے جان نثار عقیدت مندوں سے بھی رابطہ رہا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے معاندین تقریباً بلا استثناء ان کی فکر اور لٹریچر سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ انہیں اپنے قائم کردہ تصورات کے حق ہونے کا زعم تو ہے، مگر یقین ہرگز نہیں۔ ان سے جب بھی کہا جائے کہ سیّد مودودیؒ کی فکر اور شخصیت کو سمجھنا ہو تو ان کی تحریروں کا مطالعہ کرو تو جواب میں عموماً سنا جاتا ہے کہ نہیں جی! اس کی تحریریں بڑی خطرناک اور گمراہ کُن ہیں اور ہمارے بزرگوں نے یہی کہا ہے کہ ان کا مطالعہ نہ کیا جائے۔

سید مودودیؒ کی کتابیں تو دھڑا دھڑ چھپ رہی ہیں اور بہت سی کتابیں بشمول تفہیم القرآن مارکیٹ میں دستیاب بھی نہیں ہوتیں - ایڈیشن چھپتا ہے اور ہاتھوں ہاتھ بک جاتا ہے - ظاہر ہے کہ خریدنے والوں کی ایک بڑی تعداد ان کتابوں کا مطالعہ کرتی ہوگی - تاہم یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض لوگ کتاب خرید تو لیتے ہیں مگر مطالعہ کا حق ادا نہیں کرتے -

کتابوں کے علاوہ سید مودودیؒ سے ملاقات اور براہ راست رابطہ بھی ان کی شخصیت اور افکار سے متعارف ہونے کا ایک ذریعہ ہے - ظاہر ہے کہ سید مودودیؒ تو دنیا میں موجود نہیں، ان سے ملاقات کیسے کی جا سکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سید مودودیؒ سے براہ راست روابط اور ملاقاتوں کا شرف حاصل کرنے والے ہزاروں افراد آج بھی دنیا میں موجود ہیں، ان میں سے بہت سے لوگوں نے اپنے تاثرات اور تجربات نقل بھی کیے ہیں اور وہ مطبوعہ صورت میں موجود ہیں - سید کے عقیدت مندوں اور مداحوں کی ایک بڑی تعداد سید کی شخصیت کے بارے میں نہایت قیمتی اور ایمان افروز واقعات اپنے سینے میں محفوظ کیے ہوئے ہے - یادداشتوں کا یہ انمول خزانہ اگر سینۂ قرطاس پر منتقل نہ ہوا تو ان لوگوں کے دنیا سے رخصت ہونے کے ساتھ ہی یہ خزانہ بھی زیر زمین چلا جائے گا - جماعت اسلامی کی پچاس سالہ تقریبات کی مناسبت سے ان تمام لوگوں سے جو لکھنا جانتے ہیں، درخواست ہے کہ یہ امانت آنے والی نسلوں تک پہنچانے کا اہتمام کریں -

سید مودودیؒ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پہ بہت کچھ لکھا گیا ہے اور مزید بھی لکھا جا رہا ہے - اس مختصر مضمون میں اُن کی زندگی کے ایک پہلو کو قارئین کی خدمت میں پیش کرنا مقصود ہے -

مولانا مودودیؒ ایک دینی شخصیت تھے وہ عظیم مفکر، مصنف، محقق، مدبر اور مفسر قرآن تھے - دینی حلقوں میں ان کی شخصیت متنازعہ رہی مگر خود ان کا طرزِ عمل اتنا کھرا، بے داغ اور بے لوث تھا کہ انہوں نے دینی طبقات اور دینی شخصیات کی مخالفت کے باوجود کبھی ان کے خلاف اپنے قلم اور اپنی زبان کو استعمال نہیں کیا - اس کی وجہ

یہ نہیں تھی کہ مولانا مرحوم کے خلاف زبان کھولنے والے تنقید سے بالاتر تھے یا مولانا کے پاس آمع کا مقابلہ کرنے کے لیے الفاظ نہیں تھے۔ مولانا چاہتے تو وہ بھی جواب میں ان پر حملہ کر سکتے تھے، مگر مولانا نے ایسا نہیں کیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مولانا نے ان کے مقابلے میں سکوت کیوں اختیار فرمایا؟ بجائے اس کے کہ ہم خود اس کا جواب ڈھونڈیں بہتر ہے کہ ہم مولانا ہی سے پوچھ لیں۔ مجھے اب تک مولانا کی وہ مجلسیں یاد ہیں جن میں اس موضوع پر حاضرین کی طرف سے سوال پوچھے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا سے کسی نے کہا۔ "مولانا فلاں عالمِ دین آپ کے خلاف ہر روز کوئی نہ کوئی بیان دیتے ہیں، مگر آپ ان کا کبھی جواب نہیں دیتے"۔ مولانا نے فرمایا "میرے پاس کرنے کے اور بہت سے کام ہیں۔ میں نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا ہے"۔

یہ جواب بہت جامع ہے اور سچی بات یہ ہے کہ اگر مولانا مودودیؒ ان لوگوں کی بھڑکائی ہوئی آگ کے جواب میں کوئی کارروائی کرتے تو لادین عناصر کے خلاف آپ کی قابلِ قدر کاوشیں متاثر ہوتیں۔ مولانا نے اپنے قلم، زبان، اوقات اور صلاحیتوں کو بڑی منصوبہ بندی سے ان قوتوں کے خلاف استعمال کیا جو دین، شعائرِ دین اور اہلِ دین کے خلاف ہر وقت سرگرمِ عمل رہتی تھیں۔ اگر مولانا مودودی علماء کی توپوں کو خاموش کرانے کے لیے جوابی فائرنگ کرتے تو یہ دین کی کوئی خدمت نہ ہوتی۔

ایک مرتبہ بہت بڑے عالمِ دین کے بارے میں مولانا کو توجہ دلائی گئی کہ وہ مولانا کے خلاف اپنی مجلسوں میں حتیٰ کہ اپنے دروس تک میں بہت کچھ کہتے ہیں۔ مولانا نے پہلے تو خاموشی اختیار کی، مگر بار بار کے سوالوں کے جواب میں مولانا نے زبان کھولی تو ارشاد فرمایا۔ "مولانا ..... بہت نیک آدمی ہیں، شاید اللہ تعالیٰ نے ان کے ذخیرۂ حسنات میں میرا کچھ حصہ رکھا ہے۔ میں اُسے کیوں ضائع کروں؟"

تبلیغی جماعت ایک وسیع تنظیم ہے۔ دنیا بھر میں اس کے حلقے بھی قائم ہیں اور ان کے وابستگان متحرک بھی نظر آتے ہیں۔ تبلیغی جماعت کے بارے میں اس کے مخالفین بہت کچھ کہتے ہیں۔ خود تبلیغی جماعت کسی اور کے بارے میں کچھ کہے یا نہ کہے جماعت اسلامی پر یہ لوگ

"خاصے مہربان" ہیں۔ سید مودودیؒ کے بارے میں ان کا طرزِ عمل کیا ہے؟ اس موضوع پر کئی ایک کتابیں لکھی گئی ہیں۔ خاص طور پر مولانا علی میاں مدظلہ العالی کے شاگرد اقبال احمد ندوی صاحب کی کتاب "بدلتے نصب العین" قابلِ ذکر ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے ان تمام کتابوں کا تذکرہ کر دیا ہے جن میں تبلیغی جماعت کے اصحابِ قلم نے مولانا مودودیؒ اور ان کی جماعت پر "نظرِ کرم" فرمائی ہے۔ مولانا مودودیؒ سے ان کی مجلسوں میں تبلیغی جماعت کے بارے میں بہت سے سوال پوچھے جاتے تھے۔ مولانا ہمیشہ ہر سوال کے جواب میں تبلیغی جماعت کے بارے میں اپنی زبان سے کلمۂ خیر ہی ادا فرماتے تھے۔ ان کا جواب ہوتا تھا۔ "تبلیغی جماعت اچھا کام کر رہی ہے اور ان کے اچھے کام میں جہاں تک ہو سکے تعاون کرنا چاہیے"۔

مولانا مرحوم کے دل میں تبلیغی جماعت کے مؤسس مولانا محمد الیاسؒ کی بڑی عزت تھی۔ جماعتِ اسلامی کے قیام سے قبل مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی دعوت پر سید مودودیؒ میوات اور گرد و نواح کے علاقوں میں تشریف لے گئے۔ تبلیغی جماعت کے کام کو قریب سے دیکھا اور اس کی خوبیوں اور خامیوں پر ایک مبسوط مقالہ لکھا۔ اس کے ابتدائی حصہ میں مثبت پہلوؤں کا ذکر کیا اور تبلیغی جہود کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔ ترجمان القرآن ماہ اکتوبر ۱۹۳۹ء میں "ایک اہم دینی تحریک" کے عنوان سے مولانا کے مقالے کا پہلا حصہ شائع ہوا۔ دوسرا حصہ ترجمان میں شائع کرنے کے بجائے سید صاحب نے غور اور مطالعہ کے لیے مولانا محمد الیاسؒ کی خدمت میں بھیج دیا۔ مولانا اس کی حکمت یہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ مثبت پہلوؤں کی اشاعت و تشہیر سے عامۃ الناس کو تبلیغی جماعت اور اس کے کام سے متعارف کرانے کا فائدہ ہے جب کہ منفی پہلوؤں کی اصلاح کے لیے جماعت کے ذمہ داران کو متوجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کی تشہیر سے فائدے کے بجائے نقصان کا احتمال زیادہ ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مرحوم نے "فتنۂ مودودیت" لکھی تو تبلیغی جماعت کے شاٹوں پر اس کا بڑا چرچا ہوا۔ تبلیغی بھائیوں نے اسے خوب پھیلایا۔ جب سید مودودیؒ کو اس کے بارے میں بتایا گیا تو آپ نے اس کے جواب میں ایک مسکراہٹ کے ساتھ صرف یہ

کہا " اچھا مولانا زکریا صاحب نے اس عنوان سے جو کتاب لکھی ہے وہ آپ نے پڑھ لی ہے " مجلس میں پھر خاموشی چھا گئی - ایک صاحب نے تجویز پیش کی کہ اس کا جواب آنا چاہیے - مولانا نے پھر اپنی روایتی مسکراہٹ کے ساتھ کہا " نہیں جواب کی کیا ضرورت ہے - یہ کتاب خود اپنا جواب آپ ہے " گویا مولانا یہ کتاب دیکھ چکے تھے - میں نے اس وقت تک یہ کتاب نہیں دیکھی تھی - مولانا کا جواب سن کر مجھے تعجب ہوا - مگر سچ پوچھیے تو یہ کتاب پڑھتے ہوئے قاری تھوڑی سی عقل بھی رکھتا ہو اور اس کا ذہن مسموم نہ ہو تو محسوس کر سکتا ہے کہ کتاب جس مقصد کے لیے لکھی گئی تھی اُسے حاصل کرنے سے یکسر قاصر ہے۔

مولانا مودودیؒ کے علم پر ان کا حلم غالب تھا - اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں علماء کی صفت یہ بیان کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خشیت سے مالا مال ہوتے ہیں (فاطر آیت ۲۸) — مولانا مودودیؒ جو لادین عناصر کے مقابلے میں ننگی تلوار تھے - دینی عناصر کے مقابلے میں بڑے تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرتے تھے - وہ فرمایا کرتے تھے " اس ملک میں دیندار طبقات کی پہلے ہی کون سی عزت باقی رہ گئی ہے کہ ان پر حملے کر کے رہی سہی کسر بھی نکال دی جائے "۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا " لادین عناصر کی یہ بڑی خواہش ہے کہ علماء آپس میں ایک دوسرے سے دست و گریباں رہیں - بد قسمتی سے بعض علماء اپنی سادہ لوحی یا کسی اور وجہ سے اس میدانِ جنگ میں اُتر چکے ہیں - مگر میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ دین دشمنوں کے اس منصوبے میں ہر گز فریق نہیں بنوں گا "

جب مولانا مودودیؒ پر ہر جانب سے حملے ہو رہے تھے اور اتہامات کا بازار گرم گرم تھا تو کئی " بزرجمہروں " نے خبردار کیا کہ مولانا مودودیؒ اب کوئی دعویٰ کرنے والے ہیں - ان کے جواب میں مولانا مودودیؒ نے جو کچھ فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے، " میں نے ان لوگوں کو سخت سزا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے، میں اپنے اللہ سے کوئی دعویٰ کیے بغیر جا ملوں گا - اور پھر اس سے درخواست کروں گا کہ وہ ان لوگوں سے ان الزامات کی باز پرس کرے "۔

معاندین میں سے ایک بزرگ نے گوہر افشانی کی کہ سید مودودی عنقریب نبوت کا

یا کم از کم مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیں گے۔ سیّد مودودیؒ نے اس الزام کے جواب میں نہایت ہلکے پھلکے انداز میں فرمایا: "میں تو جو دعویٰ کروں گا سو کروں گا۔ مگر ان صاحب نے تو مستقبل کے بارے میں علمِ غیب کی خبر دے کر خدائی کا دعویٰ کر بھی دیا ہے"۔

اِن سارے واقعات میں آپ نے دیکھا کہ ایک جانب سے مسلسل زیادتی کی جارہی تھی، اور دوسری جانب سے تحمل و بردباری، حلم و درگزر اور عفو و صبر کا نمونہ پیش کیا جارہا تھا۔ مولانا مودودیؒ کی علما کے ایک گروہ نے مخالفت کی تو اس میں بھی شک نہیں کہ ایک بڑی تعداد نے ان کی کاوشوں کو قدر و تحسین کی نظر سے دیکھا۔ مولانا کے مداحوں میں ہر مکتبِ فکر کے علمائے کرام شامل تھے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا محمد چراغؒ، مفتی سیاح الدین کاکاخیلؒ، مولانا ابوالبرکاتؒ، مولانا ابوالحسناتؒ، مفتی محمد حسنؒ، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا داؤد غزنویؒ، مولانا عبدالستار دہلویؒ، مفتی محمد حسین نعیمی مدظلہ العالی اور بہت سے دیگر جید علما سیّد مودودیؒ کے قدردان تھے۔ یہ ایک الگ موضوع ہے جس پر اہلِ قلم نے کسی حد تک کچھ لکھا ہے۔ مختلف لوگوں کو ذاتی طور پر معلوم ہے کہ علمائے حق نے مولانا مودودی کے بارے میں کیا کچھ کہا تھا۔ میرے خیال میں یہ سب چیزیں خاصی اہم ہیں اور جن لوگوں کو اس بارے میں معلومات ہیں، ان کا فرض ہے کہ وہ ان کو تاریخ کے سپرد کر دیں۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ صاحبِ عزیمت تھے۔ انھوں نے اِس عزیمت کا مظاہرہ بدترین آمروں کے ظلم و جور کے سامنے اپنی بے پناہ استقامت سے کیا اور اپنے معاصرین کے ساتھ ان کی جفاؤں کے مقابلے میں عفو و درگزر اور رخوئے دلنوازی کا معاملہ فرماکر اس میدان میں کمال حاصل کیا۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے: "اور جب اُن پر زیادتی کی جاتی ہے تو اس کا مقابلہ کرتے ہیں[۶۳]۔ برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے[۶۵]، پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے[۶۶]، اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا[۶۷]۔ اور جو لوگ ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیں، ان کو ملامت نہیں کی جاسکتی۔ ملامت کے مستحق تو وہ ہیں جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ البتہ جو شخص صبر سے کام لے اور